جناب محمد ایوب فیروز پوری

امیر المجاہدین
صوفی محمد عبداللہ صاحبؒ

الٰہی سحر ہے پیرانِ خرقہ پوش میں کیا
کہ اک نظر سے جوانوں کو رام کرتے ہیں
میں ان کی محفلِ عشرت سے کانپ جاتا ہوں
جو گھر کو پھونک کے دنیا میں نام کرتے ہیں!

(اقبال مرحوم)

میرے لئے یہ فیصلہ کرنا اب تک مشکل ہے کہ میں حضرت امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ مرحوم کی زندگی کے کن گوشوں کو اجاگر کروں۔ حالانکہ آپ کے مجھ پر بہت سے احسانات بھی رہیں اور پھر بعض احباب نے مجھے کچھ نہ کچھ لکھنے سے متعلق تاکید بھی کی تھی۔ ویسے میں اتنا بڑا "لکھاڑ" بھی نہیں ہوں، کبھی کبھار کوشش ناتمام کرتا ہوں تو علم و مطالعہ کی کمی کا شدت سے احساس ہوتا ہے اور کچھ تفکرات بھی ان راہوں میں حائل ہو جاتے ہیں۔ یہ کام تو جماعت کے اہلِ علم و قلم حضرات کا ہے۔ کیونکہ صوفی صاحب کی زندگی سے اہلِ حدیث کی تاریخ کا ایک بڑا حصہ وابستہ ہے۔ تاہم اس گنہگار کو حضرت مرحوم کے لگائے ہوئے عظیم پودے کے سائے میں پانچ چھ سالہ زندگی

گذارنے کا شرف حاصل ہے۔ اس لئے بعض مشاہدات و تاثرات عرض کرنے پر اکتفا کروں گا۔ یہ حقیقت ہے کہ حضرت کی وفات سے اہلحدیث کی زندگی کا ایک سنہری باب ختم ہو گیا۔

آپ ایک انجمن کی حیثیت رکھتے تھے، تحریکِ مجاہدین کے لئے جس طرح آپ نے اپنا سب کچھ لٹا دیا، وہ ایک الگ موضوع ہے۔

پہلی ملاقات اور دعا:

راقم پرائمری سکول میں ابتدائی جماعتوں کا طالب علم تھا۔ ہماری رہائش ان دنوں گوجرہ ضلع لائل پور کے ایک نواحی گاؤں میں تھی۔ پتہ چلا کہ حضرت صوفی صاحب بغرض علاج ڈاکٹر رحمت اللہ صاحب کے پاس تشریف لائے ہوئے ہیں۔ برادران مکرم (مولوی جان محمد، مولوی سردار محمد اور مولوی محمد حسین) کے ہمراہ راقم الحروف بھی گوجرہ کے لئے روانہ ہو گیا۔ ابھی شہر سے کچھ دور ہی تھے کہ ایک بھائی نے کہا، وہ سامنے جو بابا جی چلے آ رہے ہیں، حضرت کی چال ڈھال اور شکل و صورت ان سے ملتی جلتی ہے، نزدیک پہنچے تو وہ حضرت صوفی صاحب ہی تھے۔ آپ کے ہمراہ شہر کو چل دیئے، میرے لئے دعا کی درخواست کی گئی۔ اور یہ بات ہر کس و ناکس کے علم میں ہے کہ آپ دعا کے سلسلہ میں نہایت ہی فیاض تھے۔ مجھے اس وقت کے الفاظ اب تک یاد ہیں، کہ "یا اللہ! ایوب کو حافظ، قاری، عالم اور اپنے دین کا خادم بنانا!"

اور میں سمجھتا ہوں کہ دین کی یہ تھوڑی بہت سمجھ آپ ہی کی دعاؤں کا نتیجہ ہے وگرنہ میں شاید آج سے مختلف ہوتا۔ اگرچہ اپنی علمی کوتاہیوں کی بنا پر علماء یا قراء میں کوئی مقام پیدا نہ کر سکا تاہم ان لوگوں کی خدمت کرنے کی توفیق ضرور نصیب ہوئی، مجھے اس پر فخر ہے اور (خدا کرے) اس کو ذریعۂ نجات بھی سمجھتا ہوں۔

دار العلوم میں:

راقم ۵۹ء یا ۶۰ء میں حفظ و تجوید کی تعلیم سے فراغت کے بعد دار العلوم میں

حصولِ تعلیم کے لئے بھیجا۔ حضرت کی صحت قدرے اچھی تھی۔ تین تین، چار چار ماہ بعد باہر سے تشریف لاتے تھے۔ ضرورت مند طلبہ آپ کا "گھیراؤ" کر لیتے، اپنی تکالیف اور ضروریات بیان کرتے۔ آپ کو طلبہ میں بیٹھ کر دلی طمانیت اور خوشی محسوس ہوتی۔ ان محافل کو دیکھ کر جب میں آپ کے اسمِ گرامی کے ساتھ ابوالمساکین کا لفظ پڑھتا تو آپ اسم بامسمیٰ نظر آتے۔

عبادات میں استغراق:

آپ کی یہ عادتِ مستمرہ تھی کہ سوائے کسی ضروری امر کے نمازِ عشا ادا فرماتے ہی آرام کے لئے لیٹ جاتے اور پھر رات ڈھلتے ہی نوافل و اوراد کے لئے جاگ پڑتے اور ہر پندرہ بیس منٹ بعد قریب سوئے ہوئے طلبہ کو آواز دے کر جگاتے "او خانلو! کھانا کھا کر رات بھر سوئے رہے، اٹھو، اپنے رب کو یاد کرو" اور پھر عبادت میں مشغول ہو جاتے۔ عبادت میں جو آپ کی کیفیت ہوتی، وہ ناظر مرحوم کے الفاظ میں بالکل یوں تھی ؎

تیرے در پہ اے خالقِ ذوالمنن جو مری جبینِ نیاز ہو
مجھے بیکسی پہ غرور ہو، مجھے بے نوائی پہ ناز ہو
مری یاس کی شبِ تار میں مرے غم کے گرد وغبار میں
ترا لطف چارہ نواز ہو، تیرا جلوہ نور طراز ہو،
میرا روز جلوہ فروز ہو ترے رخ کے نورِ جمال سے
میری شب کی محفلِ انس میں تیری بوئے زلف دراز ہو

طلبہ کی اتنی بڑی تعداد میں راقم نے صرف دو طلبہ کو شب بیداری کا خوگر پایا۔ ایک مولوی عبدالصمد مشرقی پاکستان سے تعلق رکھتے تھے جن کا اب کچھ پتہ نہیں کہ زندہ ہیں یا راہیٔ ملکِ بقا ہو گئے۔ دوسرا طالبِ علم پنجاب کا رہنے والا تھا۔ کبھی اہلحدیث طلبہ بوقتِ سحری یادِ الٰہی میں مشغول ہوتا تعلیم کا ایک حصہ تصور کرتے تھے، لیکن آج (معذرت کے ساتھ) بہت سے علماء اور اکثر طلبہ اس "لذت" سے ناآشنا ہیں، حالانکہ

۵۔ رات کے پچھلے حصے میں اک دولت لٹتی ہوتی ہے
جو جاگتا ہے سو پاتا ہے، جو سوتا ہے وہ کھوتا ہے

الحمدللہ! راقم الحروف پر حضرت صوفی صاحب اور اساتذہ کرام خصوصی شفقت فرماتے تھے، حضرت کا جب بھی جی چاہتا تو صبح کی نماز کے وقت فرماتے " ایوب انصاری! آج قرآن سناؤ " تو اس وقت نماز مجھے ہی پڑھانا ہوتی۔

مسلک سے دلچسپی:

یہ بات چنداں وضاحت طلب نہیں ہے کہ آپ نے صرف مسلک اہلحدیث کی تبلیغ و اشاعت کے لئے ہی مدرسہ قائم کیا تھا جو بتدریج ایک عظیم دینی دانشگاہ بن گیا۔ اس کا محرک ایک عجیب واقعہ ہے جو کہ حضرت کی سوانحعمری میں تحریر ہوگا۔ ایک دن میں آپ کے پاس بیٹھا تھا، آپ کچھ علیل تھے۔ آپ نے فرمایا، میں نے ترجمہ قرآنِ مجید حضرت مولانا عبدالوہاب دہلوی ؒ سے پڑھا تھا اور اللہ تعالیٰ نے ان میں یہ خوبی ودیعت کی تھی کہ متعصب سے متعصب متعلم بھی اگر ان سے ایک پارہ بھی ترجمہ پڑھ لیتا تو وہ پختہ عامل بالحدیث ہو جاتا تھا۔ آج کل کے معلمین نہ معلوم کیا پڑھاتے ہیں کہ غیر مسلک کے طالب علم مکمل تعلیم حاصل کر لینے کے باوجود اپنے آپ میں کوئی تبدیلی نہیں پاتے۔ پاس ہی کھڑے ہوئے استاد محترم مولانا عبدالرشید صاحب راشد ہزاروی نے فرمایا، حضرت کراچی والے احباب آج بھی مسلک میں بہت پختہ ہیں۔ آپ اجازت دیں تو ایک عالم طلبہ کو درس دینے کے لئے بلا لیں؟ آپ نے فریایا " تمہیں کا ہے لئی ایتھے بیٹھے او؟"

جنوں کے عجیب واقعات:

ایک دفعہ آپ نے بیان فرمایا کہ " اوڈانوالہ کے نواحی گاؤں چک ۹۶ گ ب میں ایک شخص کے گھر میں کسی کو جن لگ گیا اور جب وہ حاضر ہوتا تو کہتا کہ میں بابا صوفی کے مدرسہ کا طالب علم ہوں۔ انہوں نے میرے پاس آکر شکایت کی۔ میں نے کہا کہ جب وہ دوبارہ

تکلیف دے تو اسے کہنا۔ صوفی صاحب کہتے تھے، اپنا تعلیمی نقصان مت کرو اور مدرسہ میں واپس آجاؤ!" اتنا کہنا تھا کہ اس آدمی کی تکلیف جاتی رہی۔"

دوسرا واقعہ اس سے بھی حیران کن ہے۔ ہمارے دوست مولانا حافظ محمد صدیق آف رجانہ ضلع لائلپور کہتے ہیں کہ حضرت تحصیل سمندری کے ایک گاؤں (غالباً چک ۹۷ گ ب یا چک نمبر ۸ گ ب) میں حصولِ گندم کے لئے تشریف لے گئے۔ آپ کے متعلقین میں سے ایک صاحب جو کہ پہلے اسی گاؤں کے باشندے تھے اور ان دنوں بہاولپور کے علاقے میں رہائش پذیر تھے، نے آکر اپنے گھر میں ایک جن کی تکلیف کا ذکر کیا، آپ نے فرمایا، اگر کسی آدمی کو تکلیف ہو تو اسے میرے پاس لے آؤ، میں دم وغیرہ پڑھ دوں گا، اس نے جواباً بتایا کہ وہ کسی آدمی کو باقاعدہ اذیت نہیں دیتا، ہمارا گھر بلو نقصان بہت کرتا ہے۔ آپ ضرور اس کا کچھ تدارک کریں۔ اصرار پر آپ نے فرمایا، تم تمام مسجد کے صحن میں چلے جاؤ اور دروازہ بند کر دو۔

حافظ صاحب بتاتے ہیں کہ قریباً نصف گھنٹہ بعد صوفی صاحب کی طرف سے ڈنڈے مارنے، آگے سے کسی کے رونے اور معذرت کی آوازیں آنا شروع ہو گئیں کہ آپ معاف فرما دیں، مجھ سے غلطی ہو گئی، آئندہ کسی کو تکلیف نہیں دوں گا۔"

مریض کو سامنے بٹھا کر دم وغیرہ کرنا تو عاملینِ جنات کا معمول ہے لیکن بغیر مریض کے جن کو بلانا اور اس طرح سزا دینا، ایسا واقعہ شاید ہی کہیں پیش آیا ہو۔

تبلیغ سے لگاؤ،

آپ طلبہ کی تعلیم و تربیت سے خصوصی دلچسپی رکھتے تھے اور ساتھ ہی ساتھ آپ کی انتہائی اور دلی خواہش تھی کہ طلبہ تعلیم سے فراغت کے بعد معاشرے پر بوجھ نہ بنیں بلکہ انہیں کسی نہ کسی ہنر سے روزی کمانا چاہیئے تاکہ دینی تبلیغ میں کوئی مصلحت یا مداہنت آڑے نہ آئے۔ جب سے دارالعلوم کو ماموں کانجن منتقل کیا تھا، مدرسہ میں کسی قسم کی دستکاری کے اجراء میں سوچ و بچار کرتے رہتے تھے۔ جن دنوں صحت اچھی تھی طلبہ کے اسبوعی اجلاسوں میں شرکت فرماتے اور کہتے کہ تقریر میں خوب مہارت

پیدا کرو ۔ میں نے ریاض الصالحین کو اس لئے داخلِ نصاب کرایا ہے کہ طلبہ اس سے استفادہ کریں ۔ جو متعلم تقریر میں اچھا نظر آتا، اسے اپنی جیبِ خاص سے انعام دیتے راقم بھی ان خوش قسمت طلبہ میں سے ایک ہے جسے دو تین دفعہ انعام و اکرام سے نوازا گیا۔

عاجزی و انکساری :

اغلباً ۱۹۶۴ء کی بات ہے، جب دارالعلوم، ماموں کانجن میں تعمیر و ترقی کی ابتدائی منزلیں طے کر رہا تھا ۔ ابھی صرف آٹھ کمرے مکمل ہوئے تھے ۔ مولوی محمد یوسف صاحب کو بلا کر فرمایا، بجلی کی وائرنگ کا سامان منگواؤ، اور وہ رقم مدرسہ کے خزانے سے مت ادا کرنا بلکہ میں ذاتی طور پر ادا کروں گا ۔ میں نے پاس بیٹھے ہوئے وضاحت چاہی تو فرمانے لگے ۔ میں طلبہ کے کمروں میں روشنی کا انتظام اس لئے کر رہا ہوں کہ شاید اللہ تعالیٰ اس نیکی سے میری قبر کو روشن فرما دیں ۔

اللہ، اللہ! اندازہ فرمائیے، اللہ والے لوگوں کا اتنی عظیم خدمات کے باوجود عاجزی اور اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کا یہ عالم ہے ۔ دارالعلوم کی چار دیواری میں جس طرح آج بجلی کے قمقمے جگمگ جگمگ کر رہے ہیں، یقیناً اللہ تعالیٰ نے ان کی خدماتِ جلیلہ کو شرفِ قبولیت عطا فرماتے ہوئے ان کی قبر کو ٹھنڈا اور روشن فرمایا ہوگا ۔

نمازِ جنازہ سے محرومی :

مارچ ۱۹۸۵ء میں حاجی محمد بلال خاں مالک زمزم دواخانہ اور چوہدری محمد رفیق عینک ساز کے ہمراہ خدمت میں حاضری دی، نہایت خندہ پیشانی سے ملے حسبِ معمول مصافحہ اور معانقہ فرما کر پیشانیوں کو بوسہ دیا ۔ احباب کے لئے دعا کی درخواست کی ۔ بعد میں چوہدری محمد رفیق نے میرے لئے بھی دعا کیلئے عرض کیا ۔ فرمانے لگے، گذشتہ ہفتے ان کے بھائی اور بچے آئے تھے، میں نے جی بھر کر دعا کی تھی ۔ میں خاموش رہا، خانیوال واپس آ کر دوبارہ حاضری کا پروگرام بنا رہے تھے کہ ۲۹ ر اپریل کی شام کو کسی

کام کی غرض سے بھائی محمد حسین صاحب کو فون کیا۔ بتایا گیا کہ دونوں بھائی جنازہ میں شرکت کے لئے گئے ہیں۔ کہاں! میں نے حیرت زدہ ہو کر دریافت کیا۔ "تمہیں معلوم نہیں ہوا" دوسری طرف سے کہا گیا، امیر المجاہدین صوفی محمد عبداللہ صاحب کل انتقال فرما گئے ہیں۔ آج دو بجے ان کی نمازِ جنازہ تھی،" ریسور ہاتھ سے چھوٹ گیا، انا للہ پڑھتا ہوا لڑکھڑاتے قدموں اٹھا اور گھر پہنچا، دل کی عجیب حالت تھی، وہ آخری فریضہ جو ایک مسلمان پر عائد ہوتا ہے اس سے محرومی، اور پھر ایک محسن بزرگ کے جنازہ سے محرومی جنکی شفقت اور توجہ سے دین کی یہ تھوڑی بہت دولت میسر آئی، بہرحال وقت گذر چکا تھا۔ اگلی صبح ایک وفد ماموں کانجن پہنچا، میں قبر پر کھڑا یہ سوچ رہا تھا، یہ ہے وہ انسان، جس نے اپنے عزیز و اقارب کو چھوڑا۔ جائداد کو خیرباد کہا، وطن سے ہجرت کی، اپنے آپ کو خدا کی راہ میں جہاد کے لئے وقف کیا۔ ہر قسم کی صعوبتیں اور اذیتیں برداشت کیں۔ انگریز کو اس ملک سے نکالنے کے لئے اپنی صحت اور جوانی کو داؤ پر لگا دیا اور پھر دینی ادارہ قائم کر کے بڑی بڑی جماعتوں کے لئے اسے ایک مثال اور نمونہ بنا دیا۔ اس مردِ حق آگاہ کے لگائے ہوئے پودے کی آبیاری ہر اہل حدیث کا فرض ہے۔ کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو دارالعلوم کو میلی آنکھ سے دیکھتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ انہیں عقل و دانش سے بہرہ ور فرمائے ... مرحوم کا اخلاص کہہ رہا ہے کہ یہ چشمہ فیض تا ابد جاری رہے گا۔ ان شاء اللہ!

اعتذار

پریس والوں اور پھر دفتری کی غلطی کی وجہ سے سابقہ شمارہ کی بعض جلدوں میں ترجمان کے صفحات کی بجائے "اقامت صلوٰۃ" کے چند صفحات لگ گئے جو اسی پریس میں چھپ رہی تھی۔ ہمیں اعتراف ہے کہ ترجمان کی تاریخ میں یہ پہلی غلطی تھی۔ ہمارے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ پریس والے اتنی زبردست غلطی بھی کر سکتے ہیں ورنہ ترسیل سے پہلے چیکنگ ضرور کر لی جاتی۔ ادارہ اس پر نہ صرف معذرت خواہ ہے بلکہ تلافی کے طور پر ہم قارئین کی خدمت میں ترجمان کے صحیح صفحات